ڈاکٹر فدا حسین انصاری

قصائد در مدحِ محبت

نواب محبت خان محبتؔ المخاطب بہ مظفر الدولہ شہباز جنگ (۱۲۲۳ھ/ ۱۸۰۸ء) حافظ رحمت خان والیء روہیل کھنڈ (۱۱۸۸ھ/ ۱۷۷۵ء) کے دوسرے بیٹے تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب قیس عبدالرشید [۱] سے ملتا ہے آپ روہ [۲] (مضافات پشاور) میں ۱۱۶۵ھ ۱۷۵۱ء میں پیدا ہوئے آپ کے والد روہیل کھنڈ کی تاریخ میں حافظ الملک مکرمہ الدولہ حافظ رحمت خان بہادر نصیر جنگ [۳] کے نام سے مشہور ہوئے اور بارہویں صدی کے نصف آخر میں والی روہیل کھنڈ رہے۔ روہیل کھنڈ کوہ ہمالیہ اور دریائے گنگا کا درمیانی علاقہ ہے جس کی حدود میں اضلاعِ بجنور، مرادآباد، رام پور، بدایوں، بریلی، شاہجہان پور اور پیلی بھیت کے علاقے آتے ہیں۔

قصائد در مدحِ محبتؔ کے بارے میں تصریحات پیش کرنے سے قبل ''قصیدہ'' کے بارے میں علامہ شبلی کے چند الفاظ آپ کی خدمت میں پیش کرتا چلوں۔ علامہ فرماتے ہیں: [۴]

''جس زمانے میں شاعری کا آغاز ہوا، عرب کی شاعری مدحیہ قصائد پر محدود تھی،

---

(۱) قیس عبدالرشید بنی اسرائیل میں سے تھے۔ اس خاندان میں پہلے بزرگ تھے جنھوں نے مذہب باطل کو چھوڑ کر اسلام قبول کیا۔ آپ نے دیدار مصطفیٰؐ کے شوق میں افغان سے مدینہ منور کا سفر طے کیا۔ آپ کی شادی سارہ بنت خالد ابن ولید سے مدینہ منور میں انجام پائی۔ اُن کے بطن سے تین فرزند، تولد ہوئے جن سے افغانی اپنا شجرہ نسب ملاتے ہیں۔

(۲) ہندی بھگوان داس: ''سفینہ ہندی'' مرتبہ عطا کاکوروی، پٹنہ، ادارہ تحقیقات عربی و فارسی ۱۹۵۷ء ص ۱۹۱۔

(۳) بادشاہ دہلی نے حافظ الملک کی بہادری اور ان سے اپنے ذاتی مراسم کی بنا پر خطابات سے نوازہ تھا۔

(۴) علامہ شبلی نعمانی: ''شعرالعجم'' عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور، جلد پنجم، ص ۱۔

اس لیے ایرانی شعراء نے بھی ان ہی کی تقلید کی، اس کے ساتھ صلہ اور انعام کی توقع صرف قصیدہ سے ہو سکتی تھی۔ یہ اسباب تھے کہ ایران نے سب سے پہلے قصیدہ گوئی سے ابتدا کی۔"

ایک جگہ فرماتے ہیں:

"تاہم یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ ہزار برس کی متصل زور آوری اور طباعی بالکل رائیگاں گئی قصیدے سے گو اصلی کام نہیں لیا گیا تاہم شاعری کو اس نے بہت کچھ ترقی دی۔"(۱)

نواب محبت خان محبت کی مدح میں راقم کو اب تک پائے جانے والے قاصائد کی تعداد تین ہے جو مختلف شعراء نے نواب موصوف کی شان میں کہے۔ ان مشہور قصیدہ گو شعراء میں جعفر علی حسرت (۲) (استاد محبتؔ) (۳) شاہ جہاں آبادی اور غلام ہمدانی مصحفی شامل ہیں۔ اب ہم ان قصائد کا علیحدہ علیحدہ اجمالی جائزہ لیتے ہیں۔

(۱) قصیدۂ حسرتؔ در مدحِ محبتؔ

جعفر علی حسرت کا مذکورہ قصیدہ نواب محبت خان محبت کی مدح میں لکھا گیا ہے۔ یہ قصیدہ اکیاون (۵۱) اشعار پر مشتمل ہے اور جعفر علی حسرتؔ کے دیوانِ اول میں موجود ہے۔ کلیاتِ حسرتؔ بھی کہلاتا ہے۔ دیوان حسرتؔ کی ابتدا نواب شجاع الدولہ کی مدح سے، اس طرح ہوتی ہے۔

؎ فکر میں رات پلک سے نہ لگی میری پلک کہ کوئی ایسا مصور ہی ہے یاں زیرِ فلک

اس قصیدے کے اختتام کے بعد نواب آصف الدولہ کی مدح میں قصیدے کا مطلع یہ ہے۔

؎ یونہی اگر شگفتہ کرے گی بہار گل لاوے نہال خشک تلک اب کی بار گل

اس قصیدے کے اختتام کے بعد "قصیدہ در مدحِ محبت خان بہادر" کے عنوان سے قصیدے کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے۔

(۱) علامہ شبلی نعمانی: "شعر العجم" عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور، جلد پنجم، ص ۱۹۔ (۲) جعفر علی حسرت: "کلیات"، مخطوطہ، قومی عجائب گھر، کراچی، ص ۳۴۔ (۳) میر عوض علی مدعا شاہجہان آبادی، حافظ رحمت علی خان کے بڑے صاحبزادے نواب عنایت خان کی سرکار میں ملازم تھے نواب محبت حافظ رحمت خان کے صاحبزادے نے اور عنایت خان کے چھوٹے بھائی تھے۔ تذکرہ شعراء اردو مؤلفہ میر حسن میں عوض علی مدعا کے متعلق بھی لکھا ہے ور" بر عنایات یزدانی از راہ قدر شناسی و [illegible] دانی عالی شان خلف حافظ رحمت خان عنایت خان ظفر اللہ سہ روپیہ می داچندے دیر بریلی اقامت داشت"۔

؎ "اے صبا یار کے کوچے سے جو تو لائی بو تو فدا تجھ پر ہوں پیغام میرا لے جا تو"

اس قصیدے کی شانِ نزول یہ بتائی جاتی ہے کہ لکھنؤ کے دارالسلطنت بننے پر حسرت جب لکھنؤ آئے تو نواب محبت خان سے ان کے مراسم پیدا ہوئے، محبت نے حسرت کی شاگردی اختیار کی، قرینِ قیاس ہے کہ نواب محبت، حسرتؔ سے کچھ مالی سلوک بھی کرتے ہوں گے لیکن یہ تعلق باقاعدہ ملازمت کا نہیں رہا ہوگا۔(۱) آصف الدولہ کی جانب سے جو وظیفہ محبت خان کو ملتا تھا وہ کچھ عرصے تک باقاعدگی سے ملتا رہا لیکن جب لکھنؤ کے ریذیڈنٹ جہاں برسٹو ۱۷۷۶ء۔ ۱۱۹۰ھ میں اپنے عہدے سے سبکدوش ہوئے اور مڈلٹن نے یہ عہدہ سنبھالا تو لکھنؤ کے اہل کاروں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا کر محبت خان کی تنخواہ کی ادائیگی میں پس و پیش سے کام لیا جانے لگا۔ اس وقت لارڈ کارن واس صاحب بہادر گورنر جنرل کے عہدے پر فائز تھے۔(۲) محبت خان گورنر جنرل کو استغاثہ پیش کرنے کلکتہ پہنچے، جس کے نتیجے میں انگریز سرکار نے نواب وزیر اودھ سے ایک عہد نامہ طے کیا جس کے تحت نواب محبت خان کو لکھنؤ کے ریذیڈنٹ کی معرفت تنخواہ کی ادائیگی ہونے لگی اور محبت خان کمپنی کے متوسلین میں شمار کیے جانے لگے۔

ریذیڈنسی میں نواب محبت خان کے اعزازات بحال ہونے کے بعد نواب موصوف نے نواب وزیر اودھ اور سرکار انگریز سے روہیل کھنڈ جانے کی اجازت طلب کی، اجازت ملنے پر آپ بریلی پہنچے تو وہاں یہ افواہ پھیلی کہ نواب وزیر اودھ نے روہیل کھنڈ کا علاقہ نواب محبت خان کے حوالے کر دیا ہے، لوگ جوق در جوق بریلی کی جانب عازم سفر ہوئے اور نواب موصوف کا نہایت گرم جوشی سے بریلی میں استقبال کیا۔

کلکتہ اور بریلی کے سفر و قیام کے دوران خاں چند ہفتے لکھنؤ سے دور رہے، مرزا جعفر علی حسرت نے محبت کی جدائی میں یہ قصیدہ تخلیق کیا۔ یہ قصیدہ دیوانِ حسرت میں موجود ہے جو کہ ۱۱۹۰ھ اور ۱۱۹۲ھ کے درمیان مکمل ہوا۔

(۱) محمد سلیمان خان اسد نبیرۂ محبت: "نقش سلیمانی" مطبع محمدی، ٹونک، ۱۹۰۴ء۔ ۱۳۲۳ھ ص ۱۱۹۔
(۲) کلیات حسرت کے آخر میں یہ ترقیمہ ملتا ہے "خیر کند تو پہ کوشش از یں رہائی تاریخ بری آمد ۱۱۹۲ھ"۔
"تاریخ یہی ہے اس میرے دیوان کی۔ کل طے یہ ہوا اتمام ہائے صنعت" ۱۱۹۲ھ

جہاں تک قصیدے کے مطلع کا تعلق ہے تو یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ قصیدے کا مطلع کچھ زیادہ زوردار اور بھرپور نہیں ہے:(۱)

؎ ''اے صبا یار کے کوچے سے جو تو لائی بو تو فدا تجھ پہ ہوں پیغام میرا لے جا تو۔''

تشبیب میں بہاریہ، حالیہ اور فخر و کمال ممدوح دونوں انداز پائے جاتے ہیں، حسرت نے اس قصیدے میں الفاظ کی صنعت گری پر اتنا زور نہیں دیا ہے البتہ مضمون میں معنی آفرینی پوری طرح جلوہ گر نظر آتی ہے۔ الفاظ کی صنعت گری کا یہ طریقہ قدیم ہے کہ ایک مصرعے میں جو الفاظ آتے ہیں اس کے مترادف الفاظ دوسرے مصرعے میں لانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

؎ کہ سن اے شاہ گل و گلشن الطاف و کرم
ہے ارم ان کو میسر ہے جنھیں تیرا کو
؎ بلبل زار چمن اور گلستاں کا فراق
ہائے پھر کیوں نہ وہ غمگین پھرے نالاں ہر سو
؎ قمری و سرو میں موقع ہے جدائی بھی کہیں
کیوں نہ پھر یاد میں اس کو کے وہ بولے کو کو
؎ اس کی فریاد جو سنتا ہے سو بھرتا ہے آہ
اس کے رونے سے ہر اک چشم کے نکلے آنسو
؎ گریہ و نالہ سوا اس کو نہیں ہے سروکار
گاہ رخ آنکھوں میں ہے گاہ وہ قد دل جو

پھر کسر نفسی سے کام لیتے ہوئے اپنے ممدوح کی تعریف کرتے ہیں، اپنے آپ کو ذرّہ اور ممدوح کو مہر درخشاں کہتے ہیں قصیدہ میں مبالغہ آرائی ایرانی شعراء نے خاص طور پر اختیار کی ہے۔

(۱) عربی قصائد کے مطابق یہ دیکھا جاتا ہے کہ مطلع کس شان کا ہے۔ جبکہ اس قصیدے کے مطلع کو دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ مطلع بھرپور نہیں ہے۔

اردو قصیدے میں بھی فارسی کا وہی انداز اختیار کیا جو فارسی نے عربی سے حاصل کیا تھا بلکہ اس کی مکمل نقل کی گئی، حسرت نے عرب و فارس کے دونوں انداز اپنا کر یہی حقیقت ثابت کی ہے۔ اپنے محسوسات کو پر اثر انداز میں بیان کر کے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ یہ قصیدہ رسمی مدح سرائی پر مشتمل نہیں بلکہ ان کے دل سے نکلی ہوئی ایک صدا ہے جو پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ ان کے ممدوح میں بجا طور پر یہ اوصاف موجود ہیں جو انھوں نے بیان کیے ہیں۔ حسرت نے مزید کہا ہے کہ اس قصیدے کے ذریعے نہ شوق جتانا منظور ہے اور نہ ہی میری شاعری کو خوشامد سمجھا جائے، بلکہ ان پر محبت خاں کی جدائی میں جو کیفیت گزری وہ انھوں نے بعینہ بیان کر دی ہے۔

؎ ہے قسم تیری ہی مجھ کو کہ تیری فرقت میں
شام تا صبح نہ اخگر سا اگر ہو پہلو
؎ ہو کے بیتاب جو بستر سے میں اٹھ بیٹھوں ہوں
ہے تصوّر تیرا اور سر ہے میرا اور زانو
؎ غرض اس کہنے سے نہیں شوق جتانا منظور
یا خوشامد نہیں اوروں کی طرح یک سرِ مُو

پھر تخلص اور گریز کرتے ہوئے وہی انداز اختیار کرتے ہیں جو عام قصیدہ نگار اپناتے ہیں۔

؎ جھوٹ بولے سو ہو کافر ہے خدا اس کا گواہ بندے ہم اس کے ہیں جس میں ہو محبت کی بو
؎ تجھ میں سو پاتے ہیں نواب محبت خان ہم بس محبت ہے تیری اور فضائل یک سو
؎ اس لیے شام و سحر یاد کیا کرتے ہیں یہی کہتے ہیں محبت نے کیا ہے جادو

محولہ بالا اشعار میں حسرت کے دلی جذبات کا اظہار پایا جاتا ہے، اشعار میں روانی موجود ہے اور تاثر بھی ابھرتا ہے۔ اس کے بعد کے اشعار میں شرح حال کا پہلو نمایاں ہوتا ہے جسے قصیدے کی اصطلاح میں ''حالیہ'' کہا جاتا ہے:

؎ قلم اس لکھنے پر ہو شق یہی کہتے ہی مجھے
استخواں چاک ہوئے میرے تو اب کر دے رفو

؎ اخگرِ سوختہ ہوں میں تہہ خاکستر ایک
کبھی دیکھوں ہوں صبا بھی جو مجھے جاوے چھو
؎ وصل کے رستہ پہ موقوف ہے یہ کام اب تو
سینہ پھٹتا ہے جو کرتی ہے یہ جوں نے ہا ہُو
؎ سلسلہ تیری محبت کا ہے زنجیر مجھے
چاہوں نہ زلف کسی کی نہ کسی کے گیسو

قصیدے میں ''انوری'' نے سب سے پہلے الفاظ کو قرینے سے استعمال کیا، حسرت نے بھی الفاظ کو قرینے سے استعمال کرنے کی کوشش کی ہے۔

نواب محبت خان نہ صرف ایک شاعر کی حیثیت سے بلکہ خاندانی اعتبار سے بھی جاہ وحشم کے مالک تھے اور کئی ذاتی اوصاف سے بھی متصف تھے۔ آپ کے والدِ محترم حافظ الملک حافظ رحمت خان ایک عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک تاریخ ساز شخصیت بھی تھے، حسرتؔ ان کا ضمناً ذکر کرتے ہیں:۔

شعراء کی طرح آتا ہے مجھے بھی ورنہ
وصف ذاتی و صفاتی کہ ہوں میں بھی ہم کو
لیکن کیا فائدہ گروصف صفاتی کہیئے
ذات سے گو متعلق ہے صفاتِ نیکو
یا تیرا فخر ہے گر کہیے کہ تو ہے نواب
یا تیرے باپ کے تھا نام کا عالم میں غلو

جزئیات نگاری قصیدے کی طوالت کا باعث ہوتی ہے لیکن قصائد اور مثنوی میں یہ جزئیات نگاری معیوب نہیں سمجھی جاتی بلکہ اس سے شاعر کی جودت طبع کا اندازہ لگایا جاتا ہے کہ وہ کن کن باریکیوں سے گزر کر حقائق کا تجزیہ کر رہا ہے۔ حسرت نے اپنے ممدوح کی جرأت و بہادری اس کی تیغ کے جوہر، اس کی کاٹ تیر و کمان فیل وغیرہ کی تعریف میں پرشکوہ

الفاظ استعمال کیے ہیں۔

؎ یا تیرا جاہ وحشم رشک ہے اسکندر کا
یا تیرا گزرا ہے رستم سے بھی زورِ بازو
؎ یا تیری تیغ کا جوہر ہے جوں ابر غضب
جس طرف رو کرے برساوے دو عالم میں لہو
؎ یا تیرا تیر ہے وہ جس سے کہ اب کھا کے سہم
جا کے پردے میں عدم کے چھپی ہے جانِ عدو
؎ یا سناں تیری کا ہے ایسا کہ چمک سے جس کے
خیرہ ہو چرخ پہ اختر کی نگاہ اے مہہ رو
؎ یا تیرے فیل کی وہ شان ہے جس کی رفعت
سکنا عرش کی بھی لے نہ سکیں ہاتھ سے چھو
؎ یا تیرے خیمے کی رفعت ہے محیط ایسی یہاں
جس میں گردوں نظر آتا ہے حبابِ لب جو

محبت خان محبت ایک پاک طینت انسان تھے، حسرتؔ ان کی سخاوت اور دیگر اوصاف کا ذکر کرنے کے بعد ان کی پاکیزگی کا ذکر کرتے ہیں:۔

''ذات وہ ذات ہے تیری کے فرشتے کی نہیں
لیں طہارت کو ملک آب کریں جس سے وضو''

حسرتؔ، محبتؔ کے استاد تھے لیکن محبت کی شاعرانہ صلاحیتوں کے اظہار میں بخل سے کام نہیں لیتے وہ محبت خان کو افغان قوم کا سچا، مخلص اور ہمدرد انسان تصور کرتے تھے، حسرت کے قصیدے کے ایک ایک لفظ سے ان کے دل کی بات کا اظہار ہوتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ بے ساختہ ان کی زبان پر آتے ہیں نہ کہ بالقصد۔

؎ قوم اپنی کا تو اوتار ہی کہنا ہے مجھے
پر مسلمانی کا ہے پاس نہیں میں ہندو

عربی قصائد کی ترتیب کے مطابق دعائیہ اشعار و کلمات پر قصیدہ کا اختتام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اب دعا ہے یہی حسرتؔ کی کہ ہر میداں میں
سربسر فضل و ہنر کی تو ہے لے جاوے گو

مالک الملک ہو تو شرق سے لے غرب تلک
زور بازو سے تیرے ہووے ضعفا کو یزو

دوستوں کے تیرے گھر عید رہے او رنو روز
دشمنوں کو نہ ملے شامِ محرم بھی کبھو

قصیدے کے اوصاف میں اس کے اندازِ اختتام کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔قصیدے کا مقطع اس کے مطلع کی طرح پُر معنی، بھرپور اور پُر اثر ہونا چاہیئے۔اس تناظر میں اس قصیدے کا مقطع پُر اثر اور پُر معنی ہے۔

جہاں تک حسرتؔ کی قصیدہ نگاری کا تعلق ہے تو یہ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ مرزا جعفر علی حسرتؔ میں قصیدے کی صلاحیت موجود ہے لیکن وہ سودا اور مصحفی کی طرح اپنے دامان شاعری میں قصائد کی زیادہ تعداد نہیں رکھتے اور نہ ہی وہ سودا کے معیار کے قصائد کہتے ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ عربی، فارسی کے ابتدائی قصائد کے مقابلے میں قصیدے کی تبدیلی کے ساتھ حسرت بھی متاثر ہوتے ہیں اور الفاظ کی بندش سے نکل کر مضمون آفرینی اور سادگی کی جانب زیادہ توجہ دیتے ہیں۔

حسرت نے اس قصیدے میں عربی اور فارسی زبان کے الفاظ بھی کثرت سے استعمال کیے ہیں لیکن کہیں کہیں تعقید پائی جاتی ہے۔قصیدے کی ایک خاص زبان ہوتی ہے وہ حسرت کے قصیدے میں موجود ہے لیکن پرشکوہ الفاظ کی کمی ہے البتہ غزل کے وہ اشعار جو عام غزل کی زبان سے مختلف ہوتے ہیں وہ اس قصیدے میں ایک خاص شان کے ساتھ موجود ہیں:

قصیدہ(۱) عوض علی مدعا شاہجہان آبادی

در مدحِ محبت

بموقع کتخدائی نواب محبت خاں محبت

پھر ہے بادل شدگاں درپے آزار فلک
متصل چھڑکے ہے ناسور پہ چھاتی کے نمک

ماہ نے کھول دیا ہے کفِ سیمیں اپنا
دوسرا ہاتھ جو پانا تو بجانا دستک

شعلہء حسن کی گرمی سے عرق زیر جبیں
دیکھے ہوگے کبھی مہتاب میں سوکے ویلک

قلقل شیشہ یہ کہتا ہے کہ مت بیٹھ خموش
جام مارے ہے صفِ بادکشاں پر چشمک

جشن نواب فلک رتبہ محبت خاں ہے
جس کی شادی میں ہیں سب جمع بزرگ و کوچک

وہ جو گلگون سواری کا ترے ہے مخصوص
کیا کہوں وصف یہاں عقل مری جائے بہک

کہ مصور کرے تصویر کو اس کے مسطور
قبضہء وہم سے اڑ جائے بے شبہ و شک

(۱) اس قصیدے کے محولہ بالا آٹھ اشعار ''گلزار ابراہیم'' میں ملتے ہیں، ابھی تک مکمل قصیدہ دستیاب نہیں ہو سکا۔

ـــ کیا بیاں جلدی کا ہے اس کے کہ جوں مرغ دعا
ہاتھ اٹھانے میں گیا فرش سے لے عرش تلک
ـــ محفل عیش میں بلبل نے بجادی شہنا
گوشۂ باغ میں غنچے نے اٹھائی ڈھولک (۱)

''گلستانِ رحمت، کے مطابق نواب محبت خان کی پہلی شادی ۱۷۶۹ع ۱۱۸۳ھ میں عبدالستار خان ولد صدر خاں کمالزئی کی دختر نیک اختر سے انجام پائی۔ نواب محبت خان کے بڑے بھائی نواب عنایت خاں بقیدِ حیات تھے ان کے سامنے ہی ان کے چھوٹے بھائیوں کی شادیاں ہوئیں انھوں نے دل کھول کر اخراجات کیے، رقص و موسیقی کی محافل منعقد کرائیں۔ رقص و موسیقی کی ان محافل میں ان کے والد حافظ رحمت خاں شریک نہیں ہوئے تھے۔

نواب عنایت خاں کی سرکار میں میر عوض علی مدؔعا بھی صیغۂ شعر وسخن میں ملازم تھے انھوں نے محولہ بالا قصیدہ تحریر کیا۔ ان کے اس قصیدے کے بارے میں میر حسؔن کے الفاظ ہیں ''الحق خوب گفتہ است'' میر عوض علی مدعا شاہجہاں آبادی کی ملازمت کے بارے میں میر حسن اپنے تذکرے میں رقمطراز ہیں:

''بہ عنایت یزدانی ازراہِ قدرشناسی و نکتہ خوانی عالی شان خلف حافظ رحمت خاں عنایت خاں غفراللہ سہ صد روپیہ می داد چندے در بریلی اقامت داشت''۔

میر عوض علی مدعا دہلوی کے بارے میں علی ابراہیم خاں یوں تحریر فرماتے ہیں:

مدعا تخلص دہلوی اسمش میر عوض علی بصفاتِ حمیدہ آراستہ در طبابت و تساردستی رسا درشتہ با حافظ الملک حافظ رحمت خاں مرحوم بعزت می گزرانید قصیدہ و ریختہ درکد خدائے نواب محبت خاں مسلک نظم کشیدہ

(۱) یہ نواں شعر شعرالہند حصہ دوم ص ۴۳۱ میں موجود ہے۔

بغایت تسلط و اقتدار او گفتہ و زبان افغان داخل آہ کردہ ازسوز و نان قراررداداست۔''

اس قصیدے کے بارے میں ڈاکٹر لطیف حسین ادیب نے بھی میر حسن کے حوالے سے اپنے ایک مضمون ۔''روہیلوں کے دور میں اردو شاعری کا فروغ'' میں ذکر کیا ہے۔ ''گلزارِ ابراہیم'' میں اس قصیدے میں جو آٹھ اشعار ملتے ہیں ان کے ذیل میں ان اشعار کا فارسی ترجمہ بھی لکھ دیا گیا ہے۔ مدؔعا ایک شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ طبیب بھی تھے لہٰذا دونوں صیغوں میں ان کی ملازمت قرین قیاس ہے۔

قصیدہ کا پہلا شعر اوپر تحریر کرکے پھر ''در مقدمہ شادی'' کا عنوان قائم کیا گیا ہے اس کے بعد قصیدہ کے ساتھ اشعار ہیں جن کا نثری ترجمہ فارسی میں کیا گیا ہے۔ قصیدہ کا پہلا شعر اس دور کے مطابق نہایت زوردار ہے اور بڑے بڑے قصیدہ گوشعراء کے مطلع کی طرح مشہور ہے۔

یہ قصیدہ مرزا رفیع سودا کے تتبع میں لکھا گیا ہے۔ سودا کے قصیدے کے شعر یوں تھے۔

ـــ زلفیں یوں چہرے پہ بکھری ہوئی مانگیں تھیں دل
جس طرح ایک کھلونے پر ہٹیں دو بالک
ـــ کمر اس کی میں نہ دیکھی کہ کروں اس کا وصف
تھی وہ اک آہ ہوئے دل کے لیے چیتے کی لپک

جبکہ عوض علی مدعاؔ کے قصیدے کا مطلع یہ ہے جو اُس دور میں بہت مشہور ہوا۔

ـــ پھر ہے بادلِ شد گاں درپے آزار فلک
متصل چھڑکے ہے ناسور پہ چھاتی کے نمک

تشبیب میں ماہ و آفتاب، جام و مینا، قلقل شیشہ کو پر معنی اور سادہ الفاظ کے ساتھ بیان کرنے میں الفاظ کی صنعت گری اختیار کی گئی ہے۔ اس قصیدے کی ایک اہم وصف اس

کی مضمون آفرینی ہے مزید یہ کہ صنعت کنایہ کونہایت عمدگی سے پیش کیا گیا ہے۔

ؔ ماہ نے کھول دیا ہے کفِ سیمیں اپنا
دوسرا ہاتھ جو پانا تو بجانا دستک

تراکیب، بندش الفاظ، نازک تشبیہات اور حسن التعلیل ذیل کے اشعار میں ملاحظہ فرمایئے:

ؔ قلقل شیشہ یہ کہتا ہے مت بیٹھ خموش
جام مارے ہے صفِ بادکشاں پر چشمک

اب گریز کا پہلو اختیار کرتے ہوئے ممدوح کا ذکر قصداً لاتے ہیں۔

ؔ جشنِ نواب فلک رتبہ محبت خاں ہے
جس کی شادی میں ہیں سب جمع بزرگ وکوچک
ؔ وہ جو گلگون سواری کا ترے ہے مخصوص
کیا کہوں وصف یہاں عقل مری جائے بہک
ؔ کہ مصور کرے تصویر کو اس کے مسطور
قبضۂ وہم سے اڑجائے بے شبہ و شک

مدعا کا یہ قصیدہ فصاحت و بلاغت، آپ کی طبع رسا اور قصیدہ گوئی کی صلاحیت پر دلالت کرتا ہے اس قصیدے میں مضمون آفرینی، شکوہِ الفاظ اور نکتہ آفرینی کی اچھی مثالیں ملتی ہیں۔

قدماء کے کلام میں مترادف الفاظ اور مختلف اقسام کی لفظی صنعت گریاں پائی جاتی تھیں کہ جن سے وہ ایک ہی قسم کی آواز آتی تھی، وہی انداز اس قصیدے میں بھی نظر آتا ہے، البتہ مدعا نے مضمون آخریں پر خاص توجہ دی ہے اس کے ساتھ ہی معنی آفرینی کی ایک مترنم صدا بھی اس قصیدے سے سنائی دیتی ہے اردو قصائد میں مضمون اور معنی آفرینی کے لحاظ سے یہ قصیدہ انوری کے تتبع میں نظر آتا ہے۔

جس طرح قصائد کا اختتام دعائیہ اشعار پر ہوتا ہے، اس کا اختتام بھی دعا پر کیا گیا ہے۔

ؔ کیا بیاں جلدی کا ہے اس کے کہ جوں مرغِ دعا
ہاتھ اٹھانے میں گیا فرش سے تا عرش تلک

مدّعا کے اس قصیدے نے محبّت کی شادی کے پرمسرت موقع پر اور اس کے بعد بہت شہرت پائی۔

قصیدہ غلام ہمدانی مصحفی
در مدحِ
محبت خان محبّت

مصحفی قصیدہ گوئی میں بھی کسی سے کم نہ تھے، انھوں نے قصائد کی بہت بڑی تعداد یادگار چھوڑی ہے ان قصائد کے اشعار کی مجموعی تعداد ۴۷۷۲ (چار ہزار سات سو بہتر) ہوتی ہے۔ یہ اتنی بڑی تعداد ہے کہ سینکڑوں شعراء کے دواوین کے اشعار کی تعداد ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ [(۱)] اب تک مصحفی کے چار مجموعے ہائے قصائد کا پتہ چلا ہے۔ [(۲)] جس نسخہ میں نواب محبت خان کی مدح میں مصحفی کا یہ قصیدہ ہے وہ دانش گاہ پنجاب لائبریری میں محفوظ ہے، یہ نسخہ بوسیدہ اور کرم خوردہ ہے، اس لیے اس قصیدے کے الفاظ وتحریر جگہ جگہ سے حذف ہوگئی

(۱) افسر صدیقی امروہی: ''مصحفی حیات وکلام''، آول، نیا دور، کراچی ۱۹۵۷، ص ۱۵۱۔

(۲) ایک نسخہ رضا لائبریری رام پور میں، اس میں ۶۹ قصائد ہیں دوسرا مخطوطہ عاصم کاظم امروہی کے پاس ہے یہ ۳۹ یعنی مصحفی کی حیات میں لکھا گیا، اس میں قصائد کی تعداد ۸۶ ہے۔ تیسرا قصیدہ (مخطوطہ) حکومت بنگال کی تحویل میں۔ چوتھا نسخہ دانش گاہ پنجاب لائبریری میں موجود ہے۔

ہے۔ اس مخطوطہ قصائد کی ابتدا حمدِ باری تعالیٰ سے ہوتی ہے، نعت، منقبت حضرت علیؑ، نوابین اور عمائدین کی مدح میں قصائد موجود ہیں۔

نواب محبت خان کی مدح میں قصیدہ کے اشعار کی تعداد ۹۰ (نوے) ہے۔ کاتب نے اسے مصحفی کے شاگرد نواب عاشور علی خان کے لیے نستعلیق خط میں لکھا ہے۔ اس قصیدے کے ابتدا ان اشعار سے ہوئی ہے:۔

؎ جو سلیماں تھے کیے اس نے غبار راہ مور
زور کس کا چل سکے ہے چرخِ زور آور کے ساتھ

؎ چشمِ تر میں میرے [1]۔۔۔ کافر کی زلف
سانپ جوں بازی کرے پانی میں نیلوفر کے ساتھ

؎ وہ قیامت زا ہے میرا نالہ جو بھرتا ہے نت
باندھ کر دامن کو اپنے دامنِ محشر کے ساتھ

دیکھیے قائم رہے آخر کو یا شہ مات ہو
بازی شطرنج ہے اس چرخِ بازی گر کے ساتھ

مصحفی کا یہ قصیدہ قصائد کی روایات کے مطابق پر شکوہ الفاظ سے شروع ہوا ہے۔ ابتدائی اشعار سے ہی ظاہر ہوتا ہے کہ مصحفی کوئی معمولی شاعر نہیں ہیں بلکہ وہ ایک کُہنہ مشق اور زود گو شاعر ہیں۔ محولہ بالا اشعار کے بعد انیس ۱۹ اشعار کے ابتدائی الفاظ حذف ہو چکے ہیں ان اشعار کے بیشتر مصرعہ ہائے ثانی مکمل ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ مصحفی نے خوب خوب قلم کی موشگافیوں سے کام لیا ہے۔ قصیدہ کے دسویں شعر میں مادح، گریز کے بعد اصل موضوع یعنی اپنے ممدوح کا اسم گرامی بیان کیا ہے لیکن افسوس کہ یہ شعر بھی نامکمل ہے:

[2]۔۔۔ والا محبت خاں کہ ہے دل سے اس کو دوستی ہر صاحب جوہر کے۔

(۱) کرم خوردہ اور بوسیدہ ہونے کی وجہ سے الفاظ محو ہو گئے ہیں۔

(۲) کرم خوردہ اور بوسیدہ اوراق کی وجہ سے الفاظ محو ہو گئے ہیں۔

اس نامکمل شعر سے اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ نواب موصوف کے مصحفی کے ساتھ بھی بہتر تعلقات تھے۔

؎ [1]۔۔۔ فارسی اس لطف سے۔ جس کا ہر مصرع تُلے ہے رشتہ، گوہر کے ساتھ

مندرجہ بالا شعر بھی محبت خان کی فارسی شاعری کے لیے سند کا کام دے سکتا ہے کیونکہ مصحفی بھی محبت کی فارسی شاعری سے متاثر نظر آتے ہیں۔

قصیدہ کا ۲۲ بائیسواں شعر مطلع ثانی ہے جس کے شروع ہونے سے قبل ''مطلع ثانی'' کا عنوان قائم کیا گیا ہے۔

؎ اس سے ہی اکثر کیا ہے موم آہن کے تئیں
ہے بجا نسبت تجھے داؤد پیغمبر کے ساتھ

محبت کے ذاتی اوصاف اور سراپا کا بیان دیکھیے۔

؎ کیاں کروں خوبی بیاں شمشیر مژگاں کی تیرے
ایک تو ایسے دراز اور تس پہ اک لشکر کے ساتھ

؎ جو کوئی دنیا میں اپنے فن کا ہو صاحب کمال
چاہیئے وابستگی ہووے اسے اک در کے ساتھ

قصیدے کے اس شعر میں نہ جانے مصحفی کا روئے سخن کس جانب ہے قرین قیاس اشارا یہ ہے کہ مصحفی ایک مدت تک کسی دربار یا صاحبِ حیثیت شخصیت سے وابستہ نہیں رہے لہٰذا وہ محبت خان سے کچھ سلوک چاہتے ہونگے:۔

؎ حافظ الملک اس کا والد، وہ شہید تابدار
معرکہ میں آیا تھا جو لاؤ اور لشکر کے ساتھ

؎ پس شجاعت میں اسی کا ہے یہ ہی آخر خلف
وہ خلف تیغِ زباں ہے جس کی سو جوہر کے ساتھ

(۱) کرم خوردہ اور بوسیدہ ہونے کی وجہ سے الفاظ محو ہو گئے ہیں۔

؎ گر عقیمہ پر کرے وہ تاج بخشے کی نظر
سر نکالے بطنِ مادر سے پسر افسر کے ساتھ
؎ کرکڑا کر غول پر دشمن کے وہ جس جا گرے
سینکڑوں لاشے ہوئے مدفوں وہاں تکبر کے ساتھ

اب مدح سے گریز کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

؎ جی میں اب آتا ہے یوں کہ مدح سے۔۔۔گریز
مدح حاضر کو کروں ضم مطلع دیگر کے ساتھ
؎ اے کے تیرا ہاتھ ہے ہم پنجہ شیرنر کے ساتھ
موم کردے اس کو گر پنجہ کرے شہپر کے ساتھ

حسنِ التعلیل اور نکتہ آفرینی ملاحظہ فرمایئے:۔

؎ محمرہ بردار تیرا گر نہیں چرخِ اسیر
تو بھلا پھرتا ہے کیوں اس آتشیں محمر کے ساتھ
؎ آفتاب قہر ہو وے دُر با بہ کرم
کام شعلہ کا کرے ہر موج نیلوفر کے ساتھ
؎ پیٹھ پر اس کے تجھے جو کوئی دیکھے یوں کہے
نگہتِ گل ہے کہ جاتی ہے اُڑی صرصر کے ساتھ

مبالغہ آرائی کا پہلو ملاحظہ فرمایئے:۔

؎ سروری ہے ختم تیری ذات پر اے باخرد
کہ یہی ہے ربطِ دنیا تجھ کو ہر سرور کے ساتھ
؎ شعلہ اک اٹھا ہے اس سے اس طرح کا اس گھڑی
جا کے جو باتیں کرے ہے شعلہ خاور کے ساتھ

ان کے اشعار کے بعد دعائیہ اشعار اور ایک بار پھر مدح کا پہلو، قصیدے میں اپنے

ممدوح کی خوبیوں کو بار بار بیان کیا جاتا ہے وہ قاری کے اور اپنے ذہن سے یہ محو نہیں ہونے دیتے کہ ان کا ممدوح کن کن اوصاف حمیدہ کا مالک ہے۔ قصیدہ کا مقصد ہی تعریف و توصیف ہے۔ اب دیکھا یہ جاتا ہے کہ قصیدہ گو نے مدح گوئی کا کون سا طریقہ اختیار کیا ہے اور کون سے خاص اوصاف اس کے ممدوح میں ہیں جن کا وہ بطور خاص ذکر کرنا چاہتا ہے۔

؎ جب تلک نکلیں زمیں سے لالہ ہائے زردو سرخ
جب تلک ہم قامتی ہو سرو کو عرعر کے ساتھ
؎ وصف سطوت جب تری لکھنے لگھوں ہوں اس گھڑی
جی میں سوچوں ہوں نشانہ دیجے کس ہمسر کے ساتھ
؎ جس جگہ سامانِ بزمِ عیش تو کرتا ہے واں
خاک سے نکلے ہے خُم خود شیشہ و ساغر کے ساتھ
؎ جی میں ہے اب وصف تیری برقِ جولاں کا لکھوں
کچھ نہیں نسبت پری کو جس پری پیکر کے ساتھ
؎ سرعتِ رفتار کا میں اس کی عالم کیا لکھوں
بادلگ سکتی نہیں جس شوخیء محشرت کے ساتھ
؎ رنگ سرخ اس کے جو دیکھے ہے سو وہ کہتا ہے یوں
آج تو نکلی ہے لیلیٰ لالہ گوں معجر کے ساتھ

آخر میں دعائیہ کلمات کے ساتھ قصیدہ کا اختتام ہوتا ہے:۔

؎ مصحفی اب اس قصیدے کو دعا پر ختم کر
ٹانک دے موتی پروکر رشتہ مسطر کے ساتھ
؎ دولت و حشمت تیری ہو وے۔۔۔
تجھ کو دنیا میں رکھے اللہ کرو فر کے ساتھ

مصحفی کو ایک قصیدہ گو شاعر کی حیثیت سے کم جانا جاتا ہے حالانکہ ان کے قصائد

کے چار نسخے اور دریافت ہو چکے ہیں جو ہزاروں اشعار پر مشتمل ہیں. پر شکوہ الفاظ، نادر تشبیہات، استعارے، بلندی مضمون، نکتہ آفرینی کے ساتھ ساتھ اپنے ممدوح کے ذاتی اوصاف بیان کرنے میں کمال رکھتے ہیں۔ مصحفی کے ہر ایک قصیدے سے ان کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف ہوتا ہے۔ اس محولہ بالا قصیدے میں مناسب تلمیحات کا استعمال کیا ہے آسان قوافی تلاش کیے ہیں آپ سودا کی طرح قصائد کو تشبیب ہی میں اتنا طویل نہیں بناتے بلکہ الفاظ کی سادگی و روانی پر زور دیتے ہیں۔ قصیدے کے مضامین کے لحاظ سے نہایت مناسب اور منتخب الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ زبان و بیان کا وہ انداز جو زمانہ مصحفی میں تھا وہ اس قصیدے میں پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ مرادف الفاظ کا استعمال قصیدہ گو کی جولانی فکر کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ اس قصیدہ سے حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مصحفی میں قصیدہ گوئی کی بھرپور صلاحیت موجود ہے۔

☆☆☆